لمحۂ فکر

از

اسعد العلماء حضرت ابو سعید سید محمود صاحب مدظلہٗ

ناشر

سید عبدالرزاق اعجاز معتمدِ شعبۂ اشاعت

کتابت: فقیر سید سعید الحق شاہینؔ تشریف اللہی ابنِ حضرت علامہؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُبَسمِلًا وَّ مُحَمِّدًا وَّ مُصَلِّیًا

واضح ہو کہ قوم کی منظم زندگی کے لئے ایسے افکار اور ایسے صفات کی ضرورت ہوتی ہے جو توافق و تطابق [1] رکھتے ہوں۔ ان افکار و صفات کو "افکارِ عالیہ و اخلاقِ فاضلہ" کہتے ہیں۔ جب کبھی قوم کے توافق، افکار و صفات میں کمی پیدا ہوگی اس قوم کے طبقات کے باہمی تعاون اور اُن کی روحِ حیات میں خلل پیدا ہو جائے گا اور افراد کے فکر و عمل اور اُن کی جدوجہد کے راستے مختلف ہو جائینگے۔ اس طرح رفتہ رفتہ افکار کا اتحاد بھی اختلاف سے بدل جاتا ہے۔ اور اس سے قوم میں پست افکار باطل خیالات اور رذائل کے داخل ہونے کے راستے کھل جاتے ہیں۔ بے عملی، بے تدبیری، دُوں ہمتی [2] پیدا ہوجاتی ہے۔ روحِ حیات اور یکجہتی معدوم [3] ہو جاتی ہے۔ توجہ و ارادے دوسرے اُمور کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کی بنیاد جس مذہب پر ہو، اس کا تعلق برائے نام رہ جاتا ہے اور بس۔ علامہ اقبالؔ کہتے ہیں:-

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہہ *** وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے *** اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

یہ تو افکار اور کردار کے تطابق کی گفتگو ہے جس قوم میں وحدتِ افکار بھی باقی نہ رہی ہو، اس کی ابتری کا کیا حال ہو سکتا ہے محتاجِ توضیح نہیں۔ ہم کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ہماری قوم پر ایسی ابتری کا قہر نازل نہ ہو جائے۔

نعوذ باللہ من شرورانفسناومن سیئات و عمالنا۔

---

[1] : توافق وتطابق: باہم مطابقت و مشابہت [2]: دُوں ہمتی: کم ہمتی [3] : معدوم : نیست و نابود

آج کل ہماری قوم پر ایک جمود سی کیفیت جو طاری ہے اس کے اصل اسباب کا پتہ لگانا اور اس مرض کے ازالہ کی سعیِ بلیغ [1] ضروری ہے۔ سال میں دو چار جلسے جو منعقد ہو جاتے ہیں اجتماعِ عام کے ان موقعوں پر تقاریر سے مذہبی احکام اور قومی ضروریات معلوم ہوسکتے ہیں ۔ لیکن افسوس ہے کہ اب یہ ذوق بھی نہ رہا جس محلہ میں جلسہ ہو، اس محلہ کے لوگ بہت کم شریک ہوتے ہیں۔کوئی رسالہ بھی جاری نہیں جس سے کم ازکم تعلیم یافتہ لوگوں سے ربط رہتا اور مختلف مقامات کے مہدویوں سے بالواسطہ تعلق قائم ہوتا۔

مشائقینِ کرام کے پاس لیلۃ القدر میں جو اجتماع ہوتا ہے اس کی افادیت بھی صرف ادائِ نماز کی حد تک رہ گئی ہے۔۔ غرض دین سے واقف ہوتے رہنے کا کائی موثر ذریعہ موجود نہیں۔ البتہ مرشدوں اور علماء کے پاس روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ کسی وقت عام لوگوں کو معلومات سے مستفیض کرنے کا کوئی انتظام ہوتا جیساکہ سلف میں بیانِ قرآن کا طریقہ رائج تھا تو یہ بہت بہتر اور مفید طریقہ ہوتا۔ عرصہ دراز سے کوئی ایسا انتظام نہیں ہے۔ اس لئے لوگوں کی عادتیں بدل گئیں۔ اب آسانی کے ساتھ کامیابی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ذوق پیدا کرنے کے اسباب مہیا کرنا اور مختلف طریقوں سے مائل کرنا ہوگا اس کے لئے سعیِ مسلسل کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے پاس تصنیف کا کام بھی ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہے۔ قابلِ غور ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف وغیرہ شرعی و دینی علوم سے متعلق بڑے بڑے علماءِ سلف نے جو تحقیقی کام انجام دیئے ضخیم کتابوں کی صورت میں کثیر ذخیرہ موجود ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آج تک تصنیف وتالیف کا کام مسلسل جاری ہے۔ اور اب جب کہ اردو زبان ترقی پاگئی وہ سارا خزانہ اس زبان میں منتقل کیا جارہا ہے۔ اس کے سوائے جدید پیدا شدہ ضروریات و حالات کے لحاظ سے تحقیقاتی کام بھی جاری ہے۔ اس کے بر خلاف قومِ مہدویہ میں ہجرت، اخراج ہر طرح کی بے سروسامانیوں کے باوجود اسلاف کی جو کچھ تصانیف و تالیفات محفوظ رہ گئی ہیں اُن کا کثیر حصہ کتابوں کی صورت میں مرشدوں کے گھروں میں محفوظ ہے۔ علمائے متاخرین نے ان کتابوں کو قوم کے ہاتھ میں دینے کی طرف بہت کم توجہ کی اور جدید کام کی سرگرمی کے بھی کوئی آثار نہیں۔

ان حالات کی وجہ قوم کے عام افراد مذہب سے ناواقفیت کی مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس سے زیادہ خطرناک مرض دین سے لاپروائی

---

[1]: سعیِ بلیغ: پوری کوشش

پیدا ہوجانا ہے۔ حیدرآباد دکن مین جہاں علماء ، فقراء موجود ہیں اور یہاں کچھ نہ کچھ معلومات کا سلسلہ جاری رہنے کے باوجود ایسے حالات ہیں تو وہ مقامات جہاں کوئی پرسانِ حال نہ ہو کس حالت میں ہونگے محتاجِ بیان نہیں۔ مغربی حکومت اور اس کے تعلیمی اثرات سے مسلمان بچے متاثر ہوتے جارہے ہیں اور مہدوی نوجوان بھی اس زد سے محفوظ نہیں حالانکہ ہماری چھوٹی سی جماعت ہونے کے لحاظ سے اس کی حفاظت زیادہ مشکل نہ ہوتی اگر فقراء و علمائے کرام کی تعداد کا تناسب بہت ہی قابلِ قدر ہے۔ !!

لیکن افسوس کہ فقراء و علمائے کرام جو دین کے رہبر اور جماعت کے ناخدا ہیں خود اُن کے گھروں میں دینی امور سے لاپروائی نظر آنے لگی۔ ان کی اولاد ان کے عزیز و اقارب دینی امور کی خلاف ورزیوں میں علانیہ مبتلا پائے جانے لگے۔ فرائضِ ولایت کا تو کیا ذکر، اُمورِ شرعیہ ضروریہ کی تک پابندی ہی نہ رہی۔ عام لوگوں پر اس کا یہ اثر پڑا کہ دین کی اہمیت ذہنوں سے نکل گئی اور بعض وقت بدعنوانیاں بھی پیش آئیں دینی احکام کا غلط استعمال کیا جانے لگا۔ یا تو بیجا رواداری کی گئی یا بیجا گرفت کی گئی اور باہم مجادلہ و مکائبرہ [1] ہوتا رہا۔ متبعین اور معتقدین سے ایک دوسرے کے اندونی عیوب ظاہر کئے جاتے رہے اور ایسے بہت سارے حالات پیش آتے رہے جن کی وجہ بعضوں کا وقار بھی متاثر ہوگیا۔

اپنے کسی لڑکے کو جانشینی کے لئے منتخب کرتے ہیں تو دینی اُمور میں صرف اسی کی نگرانی کرتے ہیں۔ دوسرے بچوں کے لئے ایسا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔ اب اس منتخب لڑکے کے ضمیر کا اندازہ کیجئے وہ اپنے آپ کو ایک قیدی تصور کرتا ہے اور اپنے اوپر ایک مصیبت محسوس کرتا ہے۔کیوں کہ اس کے دوسرے بھائی تو آزادی سے من مانے کام کرلیتے ہیں لیکن ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ اس غیر محسوس باطنی اثر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ دینی مراسم انجام دیتا ہے وہ بھی بے دلی کے ساتھ۔ ایسے میں اگر سرپرست کا انتقال ہوجائے اور کوئی اس کا نگراں نہ رہے تو یہ اس قید سے ایسی بری طرح نکل پڑتا ہے کہ آزادی کے میدان میں اپنے بھائیوں کا امام نظر آتا ہے۔ یہ خیالی باتیں نہیں ہیں بلکہ زندہ مثالیں اب موجود ہیں۔ حالانکہ مرشدی گھرانوں کے علاوہ عام طور پر کاسبین، دین کے ایسے پیرو ہوتے تھے کے فقراء سے صرف نسبتی فرق رہتا تھا۔

---

[1]: مجادلہ و مکائبرہ: لڑائی جھگڑا

بہت زیادہ قابلِ اعتراض طریقہ وہ ہے جو بعض جگہ ناخواندہ ؎1 اور بالکل نا اہل فردِ خاندان کو جانشین کیا جاتا ہے اور بعض جگہ پیر کے انتقال کے بعد ایک کمسن لڑکے سے اس کی تعلیم وتربیت اور نگرانی کے انتظام کا لحاظ کئے بغیر مرحوم کی جگہ پُر کی جاتی ہے۔اس پر بھی وہ صحیح تربیت سے محروم رہے تو اس کی مرشدی محتاجِ توضیح نہیں رہتی۔

کیا یہ سب حالات نوجوان پود کے لئے خطرناک نہیں ہیں؟ جو معمر ہیں عمر کا زیادہ حصہ ایک مذہب کو تقلیداً مانتے ہوئے گذار چکے وہ تو خیر ایک ایک کرکے گذر جائیں گے لیکن مستقبل کے لئے نئی نسل کے بچاؤ کا کیا انتظام کیا گیا۔؟

نوجوانوں کی طرف توجہ کرنے کی آج جتنی شدید ضرورت پیش ہے ایسی پہلے نہ تھی۔کیونکہ پہلے سرکاری مدارس کی تعداد بہت کم تھی اور اکثر و بیشتر گھروں، مسجدوں میں علماء و مشائخین اور اساتذہ کے پاس خانگی تعلیم حاصل کرتے تھے اور جو ناخواندہ ہوتے وہ بھی دین کی طرف میلان رکھتے تھے۔غرض اس وقت کا ماحول اس قسم کا تھا کہ بہرحال دین سے وابستگی رہتی تھی۔

آج کیا ہے مدارس میں غیر ذمہ دارانہ طور پر دینیات کی سرسری تعلیم دی جاتی ہے۔اگر لڑکا اس میں ناکام رہ جائے تو اس کی کامیابی متاثر نہیں کی جاتی۔ خود گھروں میں بھی کوئی انتظام نہیں۔ اس پر کمال یہ کہ گھر اور باہر کا سارا ماحول بے علمی اور دین سے لاپروائی میں مبتلا رہتا ہے۔ اور ختمِ تعلیم تک اپنے مذہب کی طرف مائل ہونے کا اسے موقع بہت کم ملتا ہے۔

جدید تعلیم کے مدارج طئے کرکے لڑکا جب کالج سے باہر آتا ہے تو مختلف نظریات، مختلف تحقیقات، ہزارہا معلومات لے کر نکلتا ہے مذاہب کی تحقیقات پر علمائے فرنگ ؎1 کے معلومات اس کے دماغ میں موجود رہتے ہیں۔

جب اس کو اپنے مذہب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے تو اس کے دماغ میں انتشار پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بہرحال اس زمانہ کی بدلی ہوئی کیفیات کا اقتضاء نوجوانوں کی طرف توجہ کرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ ان سے غفلت یا ان کو نظرانداز کردینا حکمتِ نظری و عملی کے سراسر خلاف ہوگا۔

؎1: علمائے فرنگ: علمائے نصارا(عیسائی)

جدید تعلیم کی وجہ نئے نئے اعتراض پیدا ہوتے جارہے ہیں شکوک و شبہات میں اضافے پر اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔تحقیقی نظریہ رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوان کے دل کی تڑپ اور اُن کے ذہنی انتشار کو رفع کرنے کا کوئی انتظام موجود نہیں ہے پہلے سے بعض تعلیم یافتہ نوجوانوں کا رجحان اشتراکیت کی طرف ہے۔ چنانچہ بعض مہدوی نوجوان کا مریڈ بن چکے۔

نوجواناں تشنہ لب خالی ایاغ *** شستہ رو ، تاریک جاں روشن دماغ

کم نگاہ و بے یقین و ناامید *** چشم شاں اندر جہاں چیزے ندید (علامہ اقبالؔ)

اب جب کہ روس کی فتح ہوچکی اس کے بعد توقع کی جاسکتی ہے اشتراکیت کے اثرات اور غلبہ پائیں گے لا مذہبیت ترقی کرجائے گی۔ موجودہ حالت اور مستقبل کے خطرناک علائم و آثار کا درد قلب میں اضطراب پیدا کر رہا ہے۔

واضح ہوکہ بے عملی اور سرد مہری کا اطلاق جماعتِ مہدویہ پر کلی حیثیت سے عائد نہیں کیا جاسکتا۔ امامنا حضرت مہدی علیہ السلام کے فرمان کے مصداق کہ " مہدی و مہدویاں تا قامِ قیامت باقی می باشند " اللہ کے فضل سے آج بھی بعض باعمل ہستیاں موجود ہیں۔ طبقۂ فقراء میں بھی ہیں ، علماء میں بھی ہیں سادات میں بھی ہیں ، غیر سادات میں بھی ہیں۔ ورنہ ایک حدیثِ شریف (جوآگے بیان ہوگی) کے مضمون کے مطابق ساری دنیا پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا ، تباہی اور قیامت ہوجاتی۔ ہم کو تویہاں اُن حالات سے بحث ہے جو عام طور پر پیش آرہے ہیں اور قوم پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔

مومن کے دوکمال ہوتے ہیں پہلا کمال یہ ہے کہ صفتِ ایمان سے خود متصف ہو۔ دوسرا کمال یہ ہے کہ اپنے ایمان سے دوسروں کو متاثر کردے چنانچہ قرآنِ مجید میں یہ دونوں نوعتیں مذکور ہیں۔ فرماتا ہے:-

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُواالتَّقُواالله حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْابِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًاوَّلَاتَفَرَّقُوْا ص ۔ ۔الخ(سورۃ اٰل عمران) 102-103

اورایک جگہ فرماتا ہے :-

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ (سورۃ اٰل عمران) 104

پہلی آیت میں مومن کی صفات کا ذکر کیا گیا کہ مومن خود اللہ سے ڈرنے والا ہو اور مرتے دم تک اُوامرِ الٰہی کا مطیع رہے اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھامے رکھے۔

دوسری آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اپنے دوسرے ابناءِ نوع کو بھی اس کی طرف بلائے۔ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ پھر اس کمالِ ثانی میں بھی مراتب ہوتے ہیں۔ موم بتی، بجلی کی روشنی، چاند اور سورج سب پر منیر ہونے کا اطلاق تو ہوتا ہے مگر ان کے درجات میں تفاوت ہے۔ اسی طرح مومن ایک یا چند انسانوں کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا کردے یا ایک جماعت یا ایک قوم یا ایک ملک میں دعوت الی الخیر پھیلا دے یا ساری دنیا کو نیکی کی طرف بلائے۔ اپنے آپ کو کسی برادری کسی خاص قوم یا خاص ملک کے لئے محدود نہ سمجھے۔ یہ سب اُمور اپنے اپنے مدارج سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے تو مومنوں کے لئے یہ بلند مطمعِ نظر پیش فرمایا ہے کہ :-

كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ

(سورۃ اٰل عمران) 110

ترجمہ :- تم بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لئے نکالا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالٰی پر ایمان رکھتے ہو۔)

آیت وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ میں " من تبعیض " کے معنوں میں آیا ہے۔

اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمانوں میں ایک بڑا حصہ عورتوں اور بچوں اور مریضوں اور معذوروں پر مشتمل ہے جو دعوتِ اِلَى الۡخَيۡرِ اور اَمۡرٌ بِالۡمَعۡرُوۡفِ نَهۡىٌ عَنِ الۡمُنۡكَرِ کے واجبات ادا نہیں کر سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لئے جو خصوصیات ہونی چاہیں ہر شخص میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لحاظ سے یہ آیت ایک جماعت سے متعلق قرار دی گئی ہے لہٰذا معنی یہ ہونگے کہ تم میں سے ایک جماعت تو ایسی ضرور ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلاتی ہے۔ اچھے کام کا حکم دیتی ہو۔ برے کام سے روکتی ہو۔

قرآنِ مجید میں ایک اور آیت کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ نَهِیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ ہر مومن کا کام ہے۔

آیت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ۔۔ الخ (سورۃ التوبہ) 71

یعنی مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور بدی سے روکتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔

اور حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے بھی فرمایا کہ " تم میں سے کوئی بدی کو دیکھے تو لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر قوت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ اس کی بھی قوت نہ ہو تو کم ازکم دل میں تو برا سمجھے۔"

یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ جب مومن کی ضروری صفات میں سے ایک صفت اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ نَهِی عَنِ الْمُنْكَرِ بھی ہے۔

تو کیا وجہ ہے کہ اس کی حیثیت فرضِ کفایہ کی رکھی گئی؟ اور پوری قوم میں سے صرف ایک جماعت کا اس صفت سے متصف ہونا کافی سمجھا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے بعد لوگوں کے ایمان ضعیف ہوتے جائیں گے۔ جیسے جیسے زمانہ گذرتا جائے گا قوم تنزل کی طرف مائل ہوتی جائے گی۔ کروڑوں مسلمان ہوں گے ان کی شمعِ ایمان میں اتنی روشنی بھی نہ ہوگی کہ اپنے قریبی لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچا سکیں۔ اس لئے فرماتا ہے کہ ایسے وقت کم ازکم ایک ایسی جماعت تو ضرور ہونی چاہیئے جو نیکی کی دعوت دے اور برائی کے مقابلہ کے لئے تیار ہوجائے۔

اور ایک آیتِ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کم ازکم ایسی جماعت بھی نہ پائی جائے تو پھر عذابِ الٰہی اور ہلاکت و تباہی لازم ہوجائے گی چنانچہ فرماتا ہے :-

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ط ذَالِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ (سورۃ المائدہ) 78-79

ترجمہ :- بنی اسرائیل سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا اُن پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی اس لئے کہ انھوں نے سرکشی کی اور وہ حد سے گذر جاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو برے افعال سے روکتے نہ تھے وہ بری بات تھی جو وہ کرتے تھے۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے :-

فَلْیَحْذَرِالَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَۃٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (سورۃ الفرقان) 63

ترجمہ :- جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا خلاف کرتے ہیں اُن کو ڈرنا چاہیئے کہ کسی فتنہ یا عذاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے :-

فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ ج وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُھْلِکَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّ اَھْلُھَا مُصْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ ھود) 115-116

ترجمہ :- تم سے پہلے کی قوموں میں کچھ لوگ ایسے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے۔ ان میں سے ایسے لوگ اگر تھے بھی تو وہ بہت کم تھے ان کو ہم نے نجات دے دی۔ باقی رہے ظالم لوگ تو وہ مجرم تھے اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑے رہے جو اُن کو دی گئی تھیں۔ تو اے نبی! تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو یوں ہی ظلم سے ہلاک کردے درانحالیکہ وہاں کے باشندے نکوکار ہوں۔

اسی مضمون کی حدیث بھی ہے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :-

ان اللہ لا یعذاب العامۃ بعمل خاصۃ حتی یرو المنکر بینظھر انبھم وھم قاد دون علیٰ انینکروہ فلاینکرون فاذافعلوا ذالک عذب اللہ الخآآۃ والعامۃ " " (رواہ احمد)

ترجمہ :- اللہ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے برے اعمال کی سزا نہیں دیتا جب تک کہ نوبت یہاں تک نہ پہونچ جائے کہ وہ اپنے سامنے

برے کام ہوتے دیکھیں اور ان کو روکنے کی قدرت رکھتے ہوں اور پھر نہ روکیں جب وہ ایسا کرنے لگتے ہیں تو اللہ خاص اور عام سب پر عذاب نازل کرتا ہے۔

اور ایک حدیثِ شریف ہے :-

والذی نفسی بیدہ لتامرن بامعروف ولتھن عن المنکر ولتاخذن علٰے یک المسئی ولنظرنہ علی الحق اطراءولیضربن اللہ قلوب بعضکم علیٰ بعض اولیلعنکم کما لعنھم۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ باختلاف قلیل)

ترجمہ :- اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے کہ نیکی کا حکم کرو، بدی سے روکو۔ اور بدکار کا ہاتھ پکڑ لو اور اسے حق کی طرف موڑو۔ ورنہ اللہ تمہارے دلونکی برائیاں ایک دوسرے پر مسلط کردے گا یا تم پر اس طرح لعنت کرے گا جس طرح بنی اسرائیل پر کیا۔

حاصلِ کلام یہ کہ ہر عقلِ سلیم رکھنے والے مومن کے لوازم سے یہ بات بھی ہے کہ دوسروں کو برائی سے روکے۔ کم از کم ایک جماعت تو ہونی چاہیے اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر عذابِ الٰہی اور ہلاکت یقینی ہے۔

آیت وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ سے ایک اور پہلو کی طرف بھی نظر جاتی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں میں جب خرابیاں بہت بڑھ گئیں جن کی تصویر کتبِ تواریخ اور علامہ ابوالکلام آزاد کے تذکرہ میں موجود ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت امامنا مہدیءِموعود علیہ السلام اور آپؑ کی جماعت کو پیدا کیا۔ قومی کتبِ سیر کے علاوہ دوسری تاریخ کی کتابوں میں بھی اس جماعت کی اس خصوصیت کو تسلیم کیا گیا ہے کہ بلاخوف لَوۡمَةَ لَآئِمٍ یہ جماعت اَمۡرٌبِالۡمَعۡرُوۡفِ نَهِی عَنِ الۡمُنۡكَرِ پر عمل پیرا تھی۔ مصلحتِ وقت، رعایت، مروت، شخصیت، وجاہت، حکومت وغیرہ اُمور اُن کے ارادوں میں حائل نہیں آسکتے تھے۔ گویا مہدویہ جماعت وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کی عملاً مصداق رہی ہے۔ مہدوی قولاً و فعلاً مجسمِ تبلیغ ہوتا ہے۔ حضرت مہدی علیہ السلام نے فرمایا کہ

" مہدوی امی غیر مہدوی عالم پر غالب رہے گا۔"

یہ کیوں تھا اور کب تک ایسا رہا ؟ حقیقت یہ ہے کہ مہدوی طالبِ صادق ہوتا تھا اور اس کی طلب پوری ہونے کے اسباب مہیا رہتے تھے ۔ روزانہ بیانِ قرآن ہوا کرتا تھا۔ جس کی وجہ آیات و احادیث پر معلومات ہوتے رہتے تھے اور بہت سارے نکات و رموز اُن کے کانوں میں ایسے پہونچتے تھے کہ علماء کی نظر اس طرف نہیں جاتی ۔ اس طرح معلومات سے اتنا بہرہ مند ہو جاتے تھے کہ امی ہونے کے باوجود ایک عالم پر غالب آسکتے تھے ۔ علم جاننے کو کہتے ہیں ۔ لکھنا پڑھنا جاننے کے ذرایع ہیں نفسِ علم نہیں ہیں ۔ عالم پڑھ لکھ کر جانتا ہے اور یہ امی جاننے والوں کی صحبت سے استفادہ کرکے جانتے تھے ۔ اس کے علاوہ مہدویوں کے اعمال کی نگرانی کا انتظام بھی تھا۔ اجماع میں بلا لحاظ خاطی سے باز پرس کی جاتی تھا۔ رجوع کیا جاتا تھا۔ خاص معذوری کے سوائے ہر مہدویہ میں دونوں شان موجود رہتی تھیں کہ خود صفتِ ایمان سے متصف ہو اور دوسروں کو اپنے نورِ ایمان سے مستفید کرے ۔ :-

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن *** گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان (اقبالَ)

اس مختصر اجمالی کیفیت سے ظاہر ہے کہ مہدویوں کی تربیت کے لئے ایک جماعت موجود تھی جسے جماعتِ فقراء کہا جاتا تھا۔ اس جماعت کی خصوصیات کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ۔ قرآنِ مجید میں فقراء کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط ۔ ۔ الخ(سورۃ البقرہ)273

ترجمہ :- (تمہارا راہِ خدا میں خرچ کرنا) ان فقیروں کے لئے ہونا چاہیئے جو اللہ کے راستے میں ایسے گھر گئے ہیں کہ (کسبِ معاش) کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ کرنے کی سکت نہیں رکھتے ان کے سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف لوگ ان کو مالدار خیال کرتے ہیں ۔ تم اُن کے چہروں سے اُن کو صاف پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے اصرار کرکے نہیں مانگتے ۔

بلکہ اس سے بڑھ کر صفاتِ حسنہ اور ملکاتِ فاضلہ کے حامل تھے ۔

یہاں اس نظریہ کی غلطی بھی عیاں ہو جاتی ہے جو قومِ مہدویہ کے لئے ایک ہی پیر کی ضرورت سے متعلق بعض حلقوں میں آج کل موضوعِ بحث بنا ہوا ہے ۔ جانتا ہوں کہ یہ نظریہ اصلاح کی ضرورت نے پیدا کیا ہے لیکن اس کو نقلی تائید حاصل نہیں ۔ ولوبالفرض

عقل کی رہبری میں اس نظریہ پر عمل پیرا ہونے میں کامیاب بھی ہوجائیں تو یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ آج سے بہت زیادہ تلخ تجربات پیش آئیں گے اور طاغوتی و رعونتی مشکلات کا سامنا ہو کر رہے گا۔

غرض ہم نے جماعتِ مہدویہ اور جماعتِ فقراء سے متعلق اجمالاً جو کچھ بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جہاں سے بیانِ قرآن چھوٹا اور اجماع کا اثر ٹوٹا بس وہیں سے عوام میں ناواقفیت بے عملی وغیرہ خرابیاں بڑھنے لگیں، اس کے علاوہ اور بھی بنیادی اسباب ہیں جو انشآء اللہ دوسرے موقع پر بیان کئے جائیں گے۔

اس کے باوجود اللہ تعالٰی کے فضل سے آج بھی ہمارے پاس جماعتِ فقراء کے حالات نسبتاً بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ باہر جو بدکاریاں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں اتنی ابتری ابھی عام نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً مذہبِ مہدویہ میں سوال حرام ہے۔ اور فقراء اس کے بہت پابند پائے جاتے ہیں۔ ہزار صعوبتیں بھی اُن کو اپنے جادۂ استقلال سے متزلزل نہیں کر سکتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام نے اظہارِ کرامت کو ملامت فرمایا ہے اس سے بدکاریوں اور مکر و فریب کے راستے خود بخود مسدود ہوگئے۔ کیونکہ جہاں مریدوں اور عوام پر مشائخین کی کرامات اور مافوق الفطرت اُمور کے مظاہرے اُن کے اعلٰی معیار کی دلیل ہوا کرتے ہیں وہاں بعض مشائخین کو اپنی بساط قائم رکھنے کے لئے تعویذ، گنڈے، عملیات کی سادھنی۔ جنات و موکلین کو تابع کرنے کی مشقیں۔ شعبدے۔ ڈھونگ فریب۔ تسخیر وغیرہ امور کی طرف مائل ہوجانا پڑتا ہے چنانچہ علامہ اقبال بھی ان حالات پر نالاں ہیں :-

کعبۂ آباد است از اصنامِ ما *** خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما

شیخ در عشقِ بتاں اسلام باخت *** رشتۂ تسبیح از زنار ساخت

دل زنقشِ لاالٰہ بیگانۂ *** از صنم ہائے ہوس بیگانۂ

می شود ہر مو درازے خرقہ پوش *** آہ ازیں سوادا گرانِ دیں فروش

با مریداں روز و شب اندر سفر *** از ضرورت ہائے ملت بے خبر!

دبدہا بے نور مثلِ نرگس اند *** سینہ ہا از دولتِ دل مفلس اند

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست *** اعتبارِ ملتِ بیضا شکست

واعظِ ما چشم بر بتخانہ دوخت *** مفتیِ دینِ مبیں فتویٰ فروخت

چیست یاراں بعد ازیں تدبیرِ ما

رخ سوئے میخانہ دارد پیرِما

ہمارے فقرائے مہدویہ آج بھی ان طاغوطی بلیات سے محفوظ جو نظر آرہے ہیں، حضرت مہدی علیہ السلام کے اُسی فرمان کی پابندی کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پاس پیر کی کرامات نہیں دیکھی جاتی ہیں۔ بلکہ فیضِ تعلیم۔ احکامِ دین کی پابندی۔ اقوال۔ افعال۔ تعلقات اور معاملات میں حدوٗد اللہ کی حفاظت وغیرہ اُمور دیکھے جاتے ہیں۔ البتہ یہ اور بات ہے کہ خود بخود کوئی خاص بات ظاہر ہوجائے لیکن عمداً اور ارادۃً اظہارِ کرامت ممنوع ہے۔"

جب کہ حالات ابھی زیادہ ابتر ہونے نہیں پائے ہیں تو یہی وقت ہے کہ حفظِ ماتقدم [1] کی تدابیر اختیار کی جائیں تاکہ پیدا شدہ خرابیوں کی اصلاح ہوجائے۔ کیونکہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ کی مصداق جماعتِ مہدویہ اور اس میں سب سے زیادہ مصداق جماعتِ فقراء ہے اور جماعتِ فقراء کی اہمیت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر اس کا وجود ختم ہو جائے تو عذابِ الٰہی اور ہلاکت واقع ہونا یقینی امر ہے۔

چونکہ موضوعِ بحث کا اقتضاء [2] یہ بیان کرنا ہے کہ " کیا تھا۔ کیا ہے، کیا ہونا چاہیئے۔" اس لئے یہاں چند ایسی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں جو اجتماعی حیثیت سے قوم پر اثر انداز ہوسکتی ہیں اور جن سے احتیاط ضروری ہے۔ :-

(1) طریقت و معرفت کے مسائل ایسے انداز میں بیان کرنے چاہییں کہ شریعت کا دامن چھوٹنے نہ پائے اس لئے کہ حضرت

---

[1] : حفظِ ماتقدم : وہ بچاؤ جو پہلے سے کیا جائے۔ [2] اقتضاء : وجہ یا ضرورت

مہدی علیہ السلام کی تعلیم کی اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپؑ نے اتباعِ شریعت کی سرِ مو خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی۔

مثلاً اگر کوئی مشائخ صاحب صوفیانہ گفتگو کرتے ہوئے فرمادیں کی " میں خدا کی معیت [1] میں اتنا مستغرق ہوچکا ہوں کہ اپنے آپ کو خدا تصور کرتا ہوں۔" تو کیا یہ کہنا تعلیماتِ حضرت مہدی علیہ السلام کے مطابق ہوسکتا ہے ؟

عبادات کی تین قسمیں ہیں ۔ جسمانی ۔ مالی ۔ قلبی۔ اکثر فقہاء نے جسمانی اور مالی عبادات کے متعلقہ مسائل کی خوب موشگافی کی ہے لیکن قلبی عبادات کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور اکثر صوفیہ نے طریقت سے متعلقہ اُمور اور قلبی عبادات کے مسائل میں بڑی دقیقہ سنجی سے کام لیا ہے۔ اور بعضوں نے ایسا انہماک اختیار کیا کہ شرعی احکام کی خلاف ورزیاں سرزد ہونے لگیں۔ بلکہ بعض نفس پرستوں کو تو یہ موقع ہاتھ آ گیا کہ طریقت کی آڑ میں شریعت کی کھلی خلاف ورزی عمداً کرنے لگے۔ بدعات و منکرات میں اس درجہ مبتلا ہوگئے کہ اللہ کی پناہ !

حضرت مہدی علیہ السلام نے اس افراط و تفریط سے بچا لیا۔ طریقت و معرفت کی تعلیم اس نہج پر دی کی کسی حال اور کسی مقام میں بھی شرک نہ ہونے پائے۔ اور آدابِ شریعت کی پابندی لازم قرار دے کر دھوکے اور فریب کے راستے بند کر دیئے۔ حضرت مہدی علیہ السلام کی تعلیم سے متعلق استاذی علامہ المعیَ مرحوم فرماتے ہیں :-

ہم اناالحق کہیں سنتے تھے کہیں سبحانی *** یاں تھی ہر ایک کو تعلیم کی بندہ ہونا !

ہائے آیا تو اُسی کے فقراء کو آیا *** اِک مٹائی ہوئی ہستی کا وہ پتلا ہونا !

(2) دوسری یہ کہ جماعتِ فقراء سے مذہبی احکام سنانے میں دو عملی کے مظاہرے نہ ہونے چاہییں۔ جب ایک شخص سے مذہبی خلاف ورزی ہو جائے تو اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں دینداری کا پورا زور صرف کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گھر میں دعوتوں میں ملاقاتوں میں اسی کو موضوعِ گفتگو بنایا جاتا ہے۔ اور دل کھول کر تنقیدیں کی جاتی ہیں۔ مرتد، منافق کے فتوے سنائے

---

[1] معیت : ہمراہی، ساتھ

جاتے ہیں۔ مقاطعہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر وہ اس جہانِ فانی سے چل بسے بھی تو اس کو ناقابلِ دعائے مغفرت قرار دیا جاتا ہے۔

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ دوسرے شخص میں بھی وہی مماثل خلاف ورزیاں موجود رہتی ہیں لیکن تعلقات اور ذاتی خصوصیات کا لحاظ علانیہ پایا جاتا ہے۔ روابط باقی۔ دعوتیں جاری۔ پیری مریدی کا رشتہ قائم۔ شہرِ خموشاں سا سکوت چھایا ہوا نظر آتا ہے۔

بلکہ بعض بزرگ جانتے بوجھتے قاضیانہ انداز میں فرما دیتے ہیں کہ ثبوت پیش کرو۔کیا ایسی دوعملی فقراء و علماء کے لئے جائز ہے ؟ کیا ایسے طریق عمل سے قوم میں اُن کی طرف سے بے دلی پیدا ہونے اور ان کا وقار متاثر ہوجانے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔

(3) تیسری چیز یہ کہ بعض فقراء و علماء کے گھروں میں دین کا اثر موجود نہیں۔ خود اُن کے بچے داڑھی منڈواتے ہیں ، نماز نہیں پڑھتے جرائم کے ارتکاب میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ عام لوگوں کی نظر میں دین کی اہمیت باقی رہنے نہیں پاتی۔ اور بہت سارے امور قابلِ اصلاح ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

اور بعض فرائضِ ولایت کی پابندی جن نوعیتوں میں تبدیل ہوچکی ہے اس کا صحیح علم تو نقلیات کی اس کتاب سے ہو جائے گا جو زیر طبع ہے۔ میں نے اس وقت جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ کم ازکم امورِ شرعیہ کی پابندی تو لازماً ہونی چاہیئے۔

بحث اشخاص پر نہیں بلکہ مسائل پر ہے۔ دنیاوی معاملات میں حکومت اور بڑے بڑے عہدہ داروں کے نام لے لے کر جلسہ ہائے عام اور اخبارات میں کھلی تنقیدیں کی جاتی ہیں تو دین میں کیا ایسی تنگ نظری موجود ہے کہ بغیر نام کے قابلِ اصلاح امور کا ذکر بھی قوم کی بدنامی کا موجب قرار دیا جائے۔

جناب مولوی ابوالاعلیٰ مودودی کی تقاریر اور اُن کے رسالہ جات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ وہ کھلم کھلا کس طرح آزادیِ ضمیر کے ساتھ اپنے خیالات بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح ٹوکیو جانے والے قافلہ کو حج کا قافلہ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح اگر مسلمان غیر اسلامی راہ پر چلیں تو ان کو مسلمان کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اور قیامِ حکومتِ الٰہیہ کو نصب العین قرار دیتے ہوئے

کہتے ہیں کہ جہاں احکامِ شرعیہ کا نفاذ نہ ہو۔ حکومت کے اصول غیر اسلامی ہوں اور انسانوں کے وضع کردہ قوانین پر مبنی ہوں اور خلافِ شرع کاروبار حکومت کے زیرِ انتظام چل رہے ہوں وہاں کی حکومت اسلامی نہیں ہوسکتی۔اور ایسے بادشاہوں کی نسبت خوشامدانہ و منافقانہ القاب اصطلاحات کا استعمال دنیا پرست لوگوں کا شیوہ ہے۔

اور علامہ اقبال کہتے ہیں :-

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اُس کی

جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

ایسی بہت ساری تنقیدیں عام تام شائع ہو رہی ہیں لیکن کسی مقام پر بھی جہاں کا بادشاہ مسلمان کیوں نہ ہو اس لٹریچر پر کوئی امتناع نہیں عائد کیا گیا اور نہ اس کو مسلمانوں کی بدنامی قرار دیا گیا۔

اس کے قطعِ نظر حدیث ، تفسیر، فقہ ، کلام ، تصوف وغیرہ کونسا موضوع ہے جس میں علماء کے نام لے لے کر ایک دوسرے کے خلاف تنقیدیں نہیں کی جاتیں۔ خود مذہبِ مہدویہ کے ثبوت کی بحث جو عالم بھی کرنا چاہے لازماً دوسرے مذاہبِ اسلام اور علماء زیرِ بحث آئیں گے۔

اصل یہ ہے کہ کسی کی ذات پر حملہ کئے بغیر صرف مسائل سے بحث کی جائے تو اس کو کسی صورت میں بھی مذموم [1] نہیں قرار دیا جاسکتا جو لوگ خود حق گوئی اور بیباکی پر حامل ہوں وہ جائز اور اصولی تنقید کو بہرحال قبول کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں خواہ وہ کسی کی طرف سے کیوں نہ پیش ہو۔

چنانچہ گذشتہ سال 14/ جمادی الاولیٰ 1363 ہجری کو انجمنِ مہدویہ میں نواب بہادر یار جنگ کی صدارت میں جلسۂ میلادِ مبارک ہوا تھا۔

---

[1] مذموم : برا، خراب

نظام العمل میں احقر کا نام بھی درج تھا۔ قریبی احباب جانتے ہیں کہ بعض اسباب کی وجہ سے جلسہ میں شرکت کا ارادہ نہ تھا۔ مفاد عام کے خیال سے مخلص احباب کے مجبور کرنے کی وجہ شرکت پر آمادہ ہوا، اور یہ ارادہ کیا کہ اس مسئلہ پر بحث کروں جو نواب صاحب کے نام سے بعض لوگوں نے مشہور کردیا تھا کہ " مسئلۂ مہدیت ایمانیات سے نہیں ہے " اور اُن سوالات کے مضامین پر بھی تقریر کروں جو انھوں نے اپنے مرشد کے پاس بھیجے تھے۔ سوالات سے ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ جدید فضاء کے اثر سے جو نئے نئے شبہات پیدا ہوتے جارہے ہیں ان کو حل کرایا جائے تاکہ قوم کماحقہٗ استفادہ [1] کرسکے۔

جب احقر نے اپنی تقریر میں بعض سوالات کے مضامین پر بحث شروع کی تو عوام ایک تقریر کی حیثیت میں سنتے رہے کیونکہ سوالات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا لیکن کیا خود صدرِ جلسہ نے محسوس نہ کیا ہوگا کہ یہ بحث انھیں سوالات سے متعلق ہے اور خصوصاً جب کہ خاص خاص الفاظ زیر بحث تھے۔ اس تقریر میں ضرورتِ بعثت۔ احادیثِ متواتر بالمعنی کا اثر۔ قرآن میں بعثتِ مہدی کا ذکر۔ انکارِ مہدی کفر ہونا وغیرہ امور پر بحث کی گئی تھی اور جس وقت مسئلۂ مہدیت کے ایمانیات میں شامل ہونے سے متعلق تقریر شروع ہوئی تو کیا واقف عوام نے محسوس نہیں کیا کہ یہ اسی مشہور خبر سے متعلق ہے۔؟ اگرچہ اندازِ بیان عمومیت رکھتا تھا۔ لیکن کیا خود صدرِ جلسہ نے سامعین کے ان تاثرات کو محسوس نہیں کیا۔؟ بلا شبہ ایک تنگ نظر انسان کے لئے یہ احساس اس کے جذبات کو مشتعل کردینے کافی ہوسکتا تھا۔ مگر وہ چونکہ بہت بڑا دل و دماغ رکھتے تھے۔ حق گو اور بیباک تھے۔ ان کو روباہیت سے سخت نفرت تھی جب انھوں نے احقر کی تقریر میں استدلال کے ساتھ یہی صادق جذبہ پایا تو موتیدانہ انداز اختیار کرلیا۔

ان کی صدارتی تقریر کے چند خاص جملے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے ان کی اعلیٰ ظرفی، دیانت داری اور حق پسندی کی صلاحیت عیاں ہوجاتی ہے۔ نوجوانوں کے ایقان کو پختہ کرنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی تھی جو انھوں نے اختیار کی۔!!!

"اگر آج کسی وجہ سے میرا آنا نہ ہوتا تو محروم رہ جاتا۔ جو لوگ نہیں آئے محروم رہ گئے۔"

---

[1] کماحقہٗ استفادہ : مکمل فائدہ

"آج معلوم ہوا کہ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے پیالہ لے کر آگے بڑھتے ہیں ۔ ان تشنوں میں" تشنہ میں بھی ہوں۔ آج نہ صرف میری بلکہ میرے ساتھ بہت ساروں کی پیاس بجھ چکی۔"

آخر میں انھوں نے احقر کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ "آج کی تقری قلمبند کرکے چھپوا دی جائے تاکہ عام لوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔"

انھوں نے صرف تقریر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک ہفتہ بعد کہلا بھیجا کہ "اگر تقریر کتابی صورت میں شائع کردی جائے تو میں خدمت کے لئے حاضر ہوں۔"

احقر نے جواب دیا کہ "ایک کتاب "نقلیاتِ حضرت بندگی میاں عبدالرشید رضی اللہ عنہ" بہت کاوش اور اہتمام سے تیارکی جارہی ہے۔ اس کے مقدمہ میں یہ بحثیں آجائیں گی۔ اس لئے یہ حصہ علٰحدہ چھپوانے کا ارادہ نہیں ہے۔"

اصل یہ ہے کہ وہ سونپتے ہوئے عمرگذار دینے کے لئے نہیں پیدا ہوئے تھے کام کرنے کے جذبات اور بہترین صلاحیتیں ان میں ودیعت تھیں۔ خود کام کرتے تھے کام کرنے والوں کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ورنہ اگر وہ بیجا حمیت پر آجاتے تو کیا نہ کہہ سکتے اور ان کا کہنا احقر کے خلاف رائے عامہ کو متاثر کرنے کے لئے کیا کافی نہ ہوجاتا لیکن حق کی تائید کرنے کے بجائے الٹے حق گو کو مطعون کرنے کی کوشش ان کا شیوہ نہ تھا۔!!!

لاریب یہ فعل آدابِ وعظ بلکہ اصولِ اخلاق کے خلاف قرار دیا جاسکتا ہے کہ وجاہت کے اثر سے اظہارِ حق کے خلاف رائے عامہ متاثر کرنے کی کوشش کی جائے۔!!

اللہ تعالٰی کو تو علم تھا کہ یہ ایک مہینہ بیس دن میں اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں اور یہ اُن کی آخری مذہبی تقریر تھی۔ اس لئے قدرت نے اُن کے مذہبی جوش و عقیدت کی یادگار کے طور پر ، ہدایت پانے والوں کے لئے یہ نشانِ راہ چھوڑا ہے۔ فمن یھدہ اللہ فلامضل لہٗ۔

حاصلِ کلام یہ کہ جماعتی مفاد سے تعلق رکھنے والے اصلاحی اُمور خواہ کسی کی طرف سے بھی پیش ہوں ، ان کی طرف توجہ نہ کرنا لازماً خرابیوں میں اضافہ کا موجب ہوجاتا ہے اور اس کی ذمہ داری اس جماعت پر بھی عائد ہوسکتی ہے جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کی

مصداق ہے۔

ہم نے اس جماعت سے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کے فرائض کے اقتضاء کی توضیح ہے لیکن مذہب کو ماننے والی قوم کے عام افراد میں سے کوئی فرد اگر اس خیال میں رہ جائے کہ قوم کی فلاح کی ذمہ داری کا سارا بوجہ ایک جماعت کے افراد پر ہے جو ہدایت کے منصبِ جلیل پر فائز ہیں تو یہ بہت ہی خطرناک غلط فہمی ہوگی۔!!! کیونکہ ہر ایک کے فرائض ہوتے ہیں ۔ جن کا بجا لانا ہر ایک پر لازم ہوتا ہے۔ شریعت میں ہر بالغ و عاقل کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت مکلف [1] قرار دیا گیا ہے۔ اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ اللہ کی غلامی کا قلا وہ صدقِ دل سے پہن لے۔ لفظِ اسلام اور مسلمان کا یہی مفہوم ہے۔ اس کا فریضہ یہ ہے کہ اپنے تصورات ، عبادات ، اعمال و معاملات کو مذہب کے احکام کے تابع کرنے کر کوشش کرے اور یہ رسمیات کی ادائی کے طور پر نہ ہو بلکہ قلب و دماغ کی خاص تبدیلی کے ساتھ خالق تعالٰی کی طرف توجہ پیدا کر کے اللہ اور اس کے بندے کے تعلقات و لوازم کے کما حقہٗ احساس کو بیدار کیا جائے۔

اس لحاظ سے ہر بالغ فرد پر اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کا بار عائد ہو جاتا ہے۔ راہِ حق صراطِ مستقیم پر چلنا اس کے لئے لازم گردانا گیا۔ اس راہ کا چھوٹ جانا موجبِ گمراہی اور عتاب و عذابِ الٰہی ہے۔ ہر فرد کی عقلِ سلیم کا اقتضاء ہے کہ اپنی راہ اور اپنے نصب العین کے بارے میں خوب سونچ لے اور رضائے الٰہی کے حصول کی ہر ممکن کوشش میں لگا رہے۔ اس کو ہدایت پانے کے لئے قرآنِ کریم موجود ہے۔ شکوک و شبہات رفع کرنے احکامِ الٰہیہ کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے طریقوں سے واقف ہونے کے لئے جماعتِ فقراء و علماء موجود ہے۔ یہ قوم کے روشن ستارے ہیں۔ رشد و ہدایت کے منصبِ جلیل پر فائز ہیں۔ روحانی و اخلاقی امراض کے ماہر و حاذق معالج ہیں ۔ ان سے استفادہ ہر فرد پر لازم ہے تاکہ اطاعتِ خدا و خاتمین علیہما السلام کا فریضہ ادا کرنے میں سہولت اور صحیح رہبری حاصل ہوسکے ۔:-

دیں نہ گردد پختہ بے آدابِ عشق *** دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق (اقبالؔ)

---

[1] مکلف: داعئ ، دعوت دینے والا

اور یہ توجہ و تقویٰ پر منحصر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو یہ تعلیم دی کہ (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو پکڑے رہو۔ پراگندہ نہ ہو جاؤ)۔ مسلمان جینا۔ مسلمان مرنا ہر مومن کا لازمہ ہے۔ اور یہ اسلامی جذبہ صرف مسلمان اور مہدوی کہلانے سے پورا نہیں ہوسکتا وہ تو عملاً اطاعت و بندگی کا متقاضی ہوتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا فطری اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی اپنے نورِ ایمان سے فائدہ پہنچائے۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں ایمانِ راسخ موجود ہوگا۔ اور جو اللہ سے ڈرنے والا ہوگا جیساکہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تو اس کے لئے کیسے گوارا ہوسکے گا کہ کسی کو گمراہی میں مبتلا دیکھے اور راہِ حق کی طرف دعوت نہ دے۔ بدی و منکرات کو پھیلتے دیکھے اس کو روکنے اور ابناءِ نوع کو اس سے بچانے کی کوشش نہ کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ مومن کی صفات میں یہ بیان فرماتا ہے کہ :-

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِاللّٰهِ ط -- الخ (سورۃ التونه)112

ترجمہ :- وہ توبہ کرنے والے ، عبادت کرنے والے ، خدا کی حمد کرنے والے ، خدا کی راہ میں سفر کرنے والے ، رکوع و سجود کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے۔

جو اللہ اور اس کی تعلیمات پر ایمان لا چکے اور اخلاص و اعمالِ صالحہ پر کار بند ہوجائے اور پانچ وقت کی نماز ادا کرے تو گویا وہ اپنی بندگی کا ثبوت پیش کرتا ہے اور اس اظہارِ بندگی کے بعد سب آخری نمازِ وتر کی آخری رکعت میں اقرارِ واثق کے طور پر دعائے قنوت پڑھتا ہے جس میں ایمان۔ اطاعت۔ استعانت ، عبادت ، توکل وغیرہ خصوصیات میں اپنے کو اس وَحْدَهٗ لَاشَرِيْك سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی وعدہ کرتا ہے کہ نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ ہم چھوڑ دیں گے۔ اور ترکِ تعلق کردیں گے اس سے جو تیری نافرمانی کرے۔

جب مومن کے لئے یہ اقرار لازم ہے تو اس جماعت پر جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کی مصداق ہے بہت زیادہ لازم ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے التجا ہے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ خاتمین علیهما السلام کے طفیل ہر مومن کو اپنے فرائض کا احساس عنایت فرما تاکہ بندگی اور مدعائے تعلیمِ حضرت امامنا علیہ السلام سے بہرہ مند ہو سکے ۔

اور جماعتِ فقراء و علماء سے متعلق بارگاہِ رب العزت میں یہ تمنا پیش ہے کہ :-

احساس عنایت کر آثار معیت کا *** امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

مخفی مبادکہ بندہ علم و عمل میں بہت حقیر اور ناتواں ہے ۔ اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے انکار نہیں ، مخلصینِ کرام احقر کے جن عیوب سے واقف ہیں اس سے بھی زیادہ اپنے کو قابلِ ملامت تصور کرتا ہے ۔ اس اعتراف کے ساتھ کسی لَوْمَةِ لَّایِمْ کے خوف کے بغیر ضرور تہائے ملت کے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے جارہے ہیں کیونکہ حضرت بندگی میاں سید خوندمیر صدیق ولایت رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا ہے کہ :-

آنچه حق است باید گفت اگرچه کردن نتواند زیراچه ناکردن تقصیرِبنده و نا گفتن حق پوشی و کفر است۔ (نقلیاتِ حضرت میاں عبدالرشید رضی الله عنهٗ) انصاف نامه باضافه الفاظ۔

ترجمہ :- جو حق ہے کہہ دینا چاہیئے اگرچہ کر نہ سکے ۔ اس لئے کہ نہ کرنا تقصیرِ بندہ ہے اور نہ کہنا حق پوشی و کفر ہے ۔

غرض جو کچھ عرض کیا گیا ہے ، اگر یہ قابلِ توجہ ہے تو اصلاح کا اصولی و موثر اقدام لازم ہوجاتا ہے اور اگر یہ فضول اور غیر ضروری باتیں ہیں تو پھر بھی یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قوم کے جمود ، مذہب سے لاپرواہی ، بے عملی اور ناواقفیت کے کوئی نہ کوئی اسباب تو آخر ہونے چاہییں جو اسباب بھی ثابت ہوں ان کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے اور بے لوث خدمات سے خَالِصًا لِوَجْهِ الله قوم کو مستفید کرنے کی شدید ضرورت ہے ۔

والله الموفق والمعين وما علينا الاالبلاغ۔

چست ملت اے که گوئی لاالٰه

با ہزاراں چشم بودن یک نگه

اہلِ حق را حجت و دعویٰ یکیت

خیمہائے ما جدا دلہا یکیست

فقیر محمود غفرلہٗ

4 / رجب 1364 ہجری

ضروری اطلاع

طالبانِ صداقت و متلاشیانِ حقیقت کو مژدہ ہو کہ اب کسی کو ناواقفیتِ مذہبِ حق کی شکایت باقی نہ رہے گی۔ بحمداللہ ، مجلسِ نوجوانانِ مہدویہ قطبی گوڑہ (حیدرآباد) کے اہتمام سے ہر ہفتہ بروز پنج شنبہ بعد نمازِ عشاء " فرامینِ مہدی ءِ موعود علیہ السلام " کا بیان ہوتا ہے اور سیدی و مولائی اسعدالعلماء پیرو مرشد حضرت ابو سعید سید محمود ادام اللہ فیوضہم و صانہم اللہ عن الشرور والفتن " نقلیاتِ مبارک " کا درس دیتے ہیں ۔ اب ہر مہدوی کو براہِ راست تعلیماتِ مہدی ءِ موعود علیہ السلام سے بہرہ ور ہونے کا موقع حاصل ہے۔ امید کہ ہر مہدوی اس زرین موقع سے استفادہ کرے گا اور شریکِ درس ہوکر مذہب سے واقفیت حاصل کرے گا۔

معتمدِ شعبہ اشاعتِ مجلس

(نوٹ) درسِ نقلیات 20 / جمادی الاولیٰ 1364 ہجری سے شروع ہوچکا ہے۔